رہے سلامت تمہاری نسبت

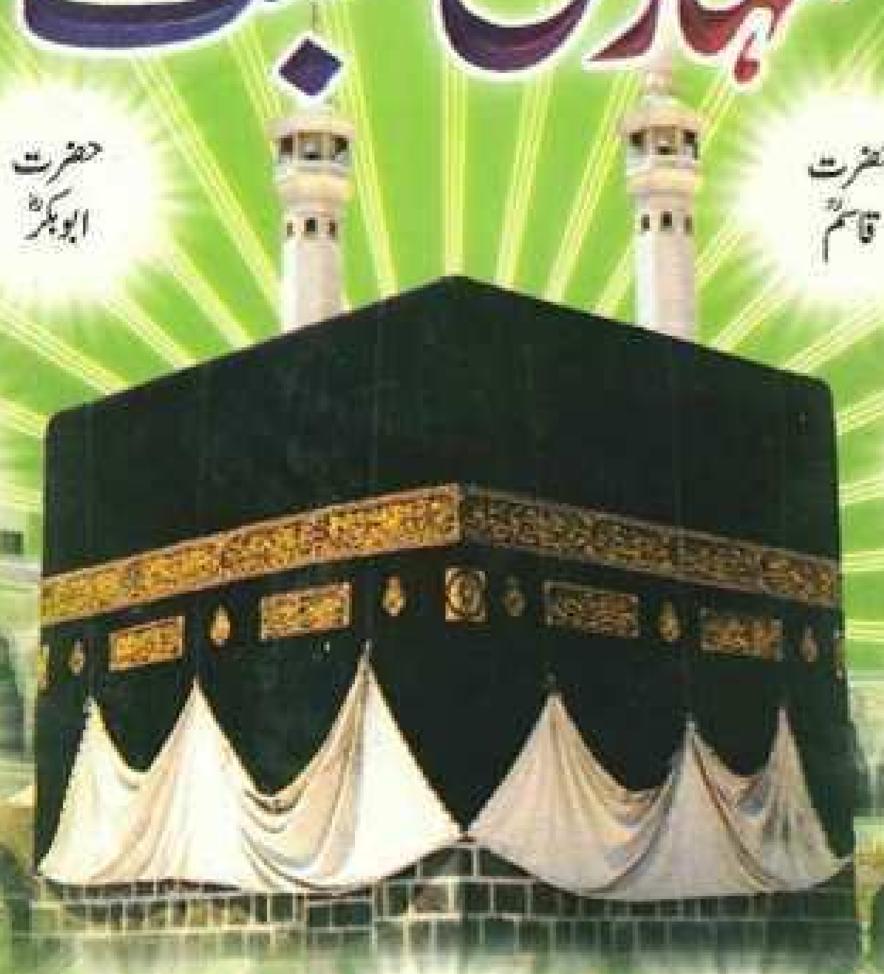

حضرت قاسمؒ

حضرت ابوبکرؓ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دارُالکتاب دیوبند

باب 2

نسبت مع اللہ

بندے کا اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق قائم ہو جانا نسبت مع اللہ کہلاتا ہے۔ خصوصی تعلق سے مراد یہ ہے کہ نسیان (غفلت) دور ہو جائے اور عصیان (گناہ) سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت نصیب ہو جائے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب انسان کا دل نور معرفت سے منور ہو جائے نفس امارہ کی انانیت ٹوٹ جائے اور یہ نفس مطمئنہ میں بدل جائے۔ تصوف کی زبان میں لفظ ''نسبت'' اسی کیفیت کے لئے بولا جاتا ہے۔

نسبت کی تعریف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب القول الجمیل میں نسبت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں

''تمام مشائخ کے طریقوں کا مقصد، منتہیٰ اور حاصل ایک خاص ہیئت نفسانی کا حصول ہے جسے نسبت کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس سے بندہ کو اللہ تعالیٰ سے نسبت و تعلق حاصل ہوتا ہے۔ اسی نسبت کا ایک نام سکینہ ہے اور

اسی کو نور بھی کہتے ہیں''

حضرت تھانویؒ نسبت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''نسبت کے لغوی معنی تعلق اور لگاؤ کے ہیں اور اصطلاحی معنی ہیں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص تعلق یعنی اطاعت دائمہ وذکر غالب اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص تعلق یعنی قبول ورضا جیسا کہ عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے''

تو معلوم یہ ہوا کہ نسبت اللہ تعالیٰ سے ایک خاص قسم کے تعلق کا نام ہے۔ جس قدر یہ تعلق قوی ہوگا اسی قدر نسبت قوی ہوگی۔ عمومی نسبت تو ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے ہے لیکن یہ نسبت ایک خاص قسم کی محبت اور اور خصوصی تعلق کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولانا رومؒ نے فرمایا

اتصالے بے تکیف بے قیاس

ہست رب الناس را با جان ناس

{یعنی حق تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ ایک ایسا اتصال (نسبت) ہے جس کی نہ تو کیفیت بیان کی جاسکتی ہے اور نہ کسی چیز پر اس کو قیاس کیا جاسکتا ہے}

نسبت کی حقیقت

نسبت کی حقیقت سمجھنے سے پہلے اس بات کو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی میں یہ ایک بات رکھی ہے کہ کسی امر کو مسلسل اختیار کرنے سے وہ اس کا عادی ہوجاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کا اتنا خوگر ہوجاتا ہے کہ اس کا ترک کرنا اس کیلئے امر محال بن جاتا ہے۔ روزمرہ زندگی سے چند مثالیں دی جاتی ہیں جس سے اس بات کو

...جھنا ذرا آسان ہو جائے گا۔

...ثال نمبر ۱

ہم دیکھتے ہیں کہ جس بندے کو نماز کی عادت نہیں اسے نماز کیلئے کہہ دیں تو ...ے نماز پڑھنا ایک بہت بڑا بوجھ اور مصیبت نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس وہی ...ز ایک نمازی آدمی کیلئے بہت آسان ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی وجہ سے اس کی نماز ...چھوٹ جائے تو اسے سخت رنج اور پشیمانی ہوتی ہے اور جب تک اسے ادا نہ کر لے ...ین نہیں آتا۔

...ثال نمبر ۲

بعض لوگوں کو دیکھا کہ بہت ہی نفیس طبع اور صفائی پسند ہوتے ہیں۔ ہر وقت ...یا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر رہتے ہیں۔ کہیں بیٹھنا ہو تو جگہ جھاڑ کر ...ٹھیں گے کہ مٹی نہ لگ جائے۔ کپڑے پر معمولی سا داغ بھی ان سے برداشت ...یں ہوتا۔ صاف رہنے کی یہ عادت ان میں اتنی راسخ ہو جاتی ہے کسی دن نہ ...ا ئیں یا اور کوئی خلاف نفاست بات ہو جائے تو ان کے سر میں درد ہونے لگ ...تا ہے۔ حالانکہ وہی بات دوسروں کیلئے اتنی تکلیف دہ نہیں ہوتی۔

...ثال نمبر ۳

بعض لوگوں کو اپنی روزانہ کی خوراک میں کسی خاص چیز کے کھانے یا پینے کی ...دت ہو جاتی ہے۔ جب تک وہ اس کو کھا نہیں لیں گے تو ان کی تسلی نہیں ہوگی۔ ...یسے کسی کو چائے پینے کی عادت ہوتی ہے، کسی کو بوتل یا آئس کریم وغیرہ کی لذت یا ...ذائیت کے اعتبار سے ان کو اس سے اعلیٰ درجے کی بھی کوئی چیز دے دی جائے تو

بھی جب تک ان کو مطلوبہ چیز نہیں ملے گی انہیں سکون نہیں آئے گا۔

ان مثالوں سے بات واضح ہوتی ہے کہ نفس انسانی میں جو حالت بھی راسخ ہو جائے پھر وہی اس کی صفت بن جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کمر بستہ ہو جاتا ہے تو اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کیلئے محنت مجاہدے میں لگ جاتا ہے، اطاعت الٰہی میں کوشاں رہتا ہے اور ذکر الٰہی پر مداومت کی کوشش کرتا ہے۔ جب کچھ عرصہ وہ اسی محنت میں گزارتا ہے تو یہ حالت اس میں راسخ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے کہ یادالٰہی اس کے دل کی صفت بن جاتی ہے اور اطاعت الٰہی اس کے نفس کا تقاضا بن جاتی ہے۔ اب اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت اختیار کرنا اور اس کی نافرمانی کا قصد کرنا اس کیلئے ممکن نہیں رہتا۔ اب اس کا نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ اس حالت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تجلیات اور سکینہ نازل ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے، اس کی اسی کیفیت راسخہ کا نام نسبت ہے۔

سوچنے کی بات جب نفس انسانی عام مادی لذات کا عادی ہو جائے تو ان کا ترک گوارا نہیں کرتا تو جب یہ تجلیات ربانی اور عالم امر کے انوارات سے آشنائی حاصل کر لیتا ہے تو ان کی لذت سے محروم ہونا کیسے گوارہ کر سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نسبت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک کیفیت کا نام ہے جو نفس ناطقہ میں حلول کر جاتی ہے جس کے سبب سے نفس کے اندر ایک ملکی شان پیدا ہو جاتی ہے اور عالم بالا سے باتیں اخذ کرنے کا ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔''

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں

''نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے عشق کا تعلق ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا بندے سے رضا کا تعلق ہو جائے''

بندے کا اللہ کی رضا جوئی کیلئے ذکر و طاعت کا اختیار کرنا اور اس میں رسوخ حاصل کرنا گویا کہ بندے کی اللہ سے ایک نسبت ہے اب اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کے ہاں ایسی قبولیت ہوتی ہے کہ اللہ کی طرف سے رضائے تامہ نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ کی بندے سے نسبت ہے۔ نسبت کا جو لفظ مشائخ بولتے ہیں وہ ان دونوں نسبتوں کے قائم مقام ہوتا ہے۔

رضائے تامہ کا معنی

رضائے تامہ کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو اللہ کی کامل رضا حاصل ہو جائے نہ کہ جزوقتی۔ مثلاً جب کوئی گناہ گار گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں لیکن جب وہی بندہ کوئی نیکی کرتا تو اس پر راضی بھی ہوتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ایک گناہ گار کے نیک عمل پر راضی تو ہوئے ہیں لیکن اس بندے کے عمل کے بقدر وقتی رضا حاصل ہوئی ہے نہ کہ کامل رضا ملی ہے۔ رضائے تامہ اس بندے کو حاصل ہوتی ہے جو تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کی محنت کر کے اپنی اصلاح کر چکا ہو۔ اس بندے کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعلق نصیب ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔ ایسے ہی بندے کو صاحب نسبت کہتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حصول نسبت کے بعد بھی بتقاضائے

بشریت کبھی معصیت کا ہو جانا ممکن ہے بلکہ ہو بھی جاتی ہے تو پھر دائمی رضا حا
ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کے جواب میں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مثال نمبر۱

گہری دوستی کے بعد یہ ضروری نہیں کہ کبھی شکر رنجی ہوتی ہی نہیں، ہو سکتی ہے
لیکن یہ شکر رنجی عارضی ہوتی ہے حقیقت میں اس خفگی کے دوران بھی دوستی کا تعل
قائم رہتا ہے، ٹوٹتا نہیں۔ بالکل اسی طرح صاحب نسبت سے کوئی لغزش تو ہو
ہے لیکن وہ صاحب جلد ہی اس پر مطلع ہو کر تو بہ تائب ہو جاتے ہیں اور تعلق بدست
قائم رہتا ہے۔

مثال نمبر۲

تکمیل صحت کے بعد ضروری نہیں کہ کبھی نزلہ زکام یا کوئی اور چھوٹا موٹا عارض
نہ ہو، ہو سکتا ہے۔ یا کسی بد پرہیزی کرنے سے صحت میں عارضی فتور واقع
سکتا ہے لیکن اس کا تدارک کرنے کے بعد وہی غالب صحت لوٹ آتی ہے۔

مثال نمبر۳

وہ طلبا جو سند فراغت حاصل کر لیتے ہیں مکمل عالم بن جاتے ہیں۔ اس
مطلب یہ نہیں کہ اب وہ کسی کتاب میں کسی مقام پر اٹکیں گے ہی نہیں، اٹک سکتے
ہیں لیکن ذرا توجہ کرنے سے وہ اشکال رفع کر لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

نسبت کی علامت

صاحب نسبت ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کی صحبت میں بیٹھنے سے

دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو، اور اس کی طرف علماء اور دیندار حضرات کا میلان اور رجوع زیادہ ہو بہ نسبت دنیا داروں کے۔

بعض لوگ اپنی جہالت کی بناء پر نسبت سے مراد بعض خاص کیفیات اور احوال مراد لیتے ہیں جو فاسق وفاجر میں بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کیفیات کا تعلق ریاضت ومجاہدے کے ساتھ ہے جو کوئی بھی شخص حاصل کر سکتا ہے۔ ان کیفیات کے لئے قبولیت خداوندی شرط نہیں ہوتی۔

نسبت کے دلائل

دلیل نمبرا

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں صحابہ کرام کے متعلق فرمایا کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ وَرَضُو عَنۡہُ کہ وہ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے یہ دلیل ہے صحابہ کرام کی نسبت کی۔ گویا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی دائمی رضامندی عطا فرما دیتے ہیں۔

دلیل نمبر۲

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ۝ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً ۝

(اے اطمینان والے نفس تو چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی)

نفس مطمئنہ وہ نفس ہوتا ہے جو امارگی اور انانیت سے نجات پا چکا ہو اور نفس نسبت کے نور کا حامل ہوتا ہے۔ اسی نفس کو اس آیت میں اللہ رب العزت طرف سے دائمی رضا کی نوید سنائی جا رہی ہے۔

دلیل نمبر ۳

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰن

(جو میرے بندے ہیں (شیطان) تیرا ان پر قابو نہیں چل سکتا)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ اتباع شریعت کے ساتھ وہ مقام پا ہیں کہ شیطان ان سے کوئی ایسا گناہ نہیں کروا سکتا جو کہ نا قابل معافی ہو "عبادی" کا لفظ اسی نسبت کی واضح دلیل ہے

دلیل نمبر ۴

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا

"پس جس شخص نے شیطان کو جھٹلایا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا"

یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ نسبت مع اللہ جب قائم ہو جاتی ہے تو ٹو نہیں ہے بلکہ انسان ایک مضبوط حصار میں آجاتا ہے۔

دلیل نمبر ۵

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

میرا بندہ نوافل سے میرے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے۔ میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے''

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ اللہ کا اتنا بھی مقرب ہو سکتا ہے کہ اس کا سننا دیکھنا بولنا کام کرنا سب کچھ اللہ کی طرف سے ہو جاتا ہے یہ بھی نسبت کے قائم ہو جانے کی ایک دلیل ہے۔

دلیل نمبر ۶

ایک حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

مَا صَبَّ اللّٰهُ فِيْ صَدْرِيْ اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُهٗ فِيْ صَدْرِ اَبِيْ بَكْرٍ

اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں جو کچھ بھی ڈالا ہے میں نے اسے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سینے میں ڈال دیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جو علم مجھے ملا میں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی بتا دیا بلکہ فرمایا جو اللہ نے میرے سینے میں ڈالا وہ میں نے ابوبکر کی سینے میں ڈال دیا یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نبی علیہ السلام نے اپنے احوال و کیفیات کو منتقل کیا آپ کی طرف۔ یعنی ایک باطنی نسبت کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے سینے میں القا کیا۔اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ سیدنا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت سب سے مضبوط نسبت ہے کہ اس کا اظہار خود زبان نبوت سے ہو رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہے ان کو امت پر فضیلت نماز روزوں کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس درد دل کی وجہ سے تھی جو آپ کے دل میں تھا۔ یہ دلیل ہے آپ کی نسبت مع اللہ کی

نسبت کے مختلف انداز

نسبت کی حقیقت اور ماہیت تو ایک ہی ہے لیکن محنت اور طریقے کے فرق کے اعتبار سے اس نسبت کے رنگ مختلف ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے اسی نسبت کو حاصل کیا۔لیکن ہر صحابی کی اپنی اپنی محنت اور طریقہ کے فرق کی وجہ سے ہر ایک کی نسبت کا رنگ جدا جدا تھا۔چنانچہ کسی نے تو نمازوں کی کثرت کی تو اسکی نسبت اسی رنگ کی تھی، کسی نے تلاوت قرآن کو اپنا شغل بنایا تو اس کی نسبت پر اس کا رنگ غالب تھا، کسی نے صدقہ خیرات کی کثرت کی اور کوئی موت کی فکر اور یاد میں ڈوبا رہتا تھا تو یہ اس کی نسبت کا رنگ بن گیا۔ کسی پر عشق الٰہی کا رنگ غالب تھا تو کسی کو اللہ کی حضوری اور پیشی کا خوف دامنگیر رہتا۔علیٰ ہذا القیاس صحابہ کرامؓ کی نسبت کے الوان اور رنگ مختلف تھے۔

تابعین نے صحابہ کرام کی صحبت میں رہ کر نسبت کے نور کو حاصل کیا۔جس نے جس صحابی کی صحبت کو پایا اس پر اسی صحابی کی نسبت کا رنگ غالب آ گیا۔تابعین سے تبع تابعین نے فیض اٹھایا اور پھر یہ سلسلہ آگے سے آگے چلتا رہا۔چنانچہ مختلف سلسلہ نسبت مشہور ہو گئے ،وقت کے ساتھ ساتھ چار سلاسل نسبت زیادہ ترویج

پائے۔

(۱) نسبت نقشبندیہ (۲) نسبت قادریہ (۳) نسبت چشتیہ (۴) نسبت سہروردیہ

ان کے علاوہ بھی کچھ سلاسل ہیں لیکن وہ غیر معروف ہیں۔ان چاروں کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

نسبتوں کے اس اختلاف کو سمجھنے کیلئے ایک اور مثال پر غور کریں۔

فرض کریں کہ لوگ حج کرنے کیلئے حرم شریف کی طرف سفر کرتے ہیں۔کوئی ہوائی جہاز میں جاتا ہے، کوئی بحری سفر کرتا ہے، کوئی خشکی کا سفر کرتا ہے منزل تو سب کی ایک ہی ہوتی ہے سب ہی حرم شریف پہنچ جاتے ہیں۔لیکن سفر کرنے کے ذرائع ہر ایک مختلف ہوتے ہیں۔یہی حال ان نسبتوں کا ہے کہ مقصود تو سب کا ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق قائم ہو جائے لیکن طریقہ کار اور محنت و مجاہدے مختلف ہوتے ہیں۔

سوال: کیا نسبت حاصل کرنے کیلئے ان سلاسل میں بیعت ہونا ضروری ہے؟

جواب:

نسبت کے حاصل ہونے کا مدار ذکر الٰہی پر مداومت اور شریعت پر استقامت میں ہے۔اسی چیز کو اپنے نفس پر راسخ کرنے کیلئے مشائخ طریقت ان سلاسل کے مقرر کردہ اسباق کی محنت کرواتے ہیں۔ان سلاسل میں بیعت ہوئے بغیر بھی مجاہدے سے اس چیز کو حاصل کیا تو جا سکتا ہے لیکن یہ ایک مشکل کام ہے جو ہر ایک کے بس کا نہیں۔کوئی بھی لمبا اور نامعلوم راستہ اختیار کرنا جس میں جگہ جگہ پر شیطانی نفسانی رکاوٹیں موجود ہوں اور رہبر بھی ساتھ نہ ہو کوئی دانشمندی نہیں۔ظاہر ہے

اس حالت میں منزل پر پہنچنے کے امکانات کم اور بھٹکنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ کسی سلسلہ کے شیخ سے بیعت ہو کر نسبت کی نعمت کو حاصل کیا جائے۔ امت کے لاکھوں کروڑوں اولیائے کاملین اور مشائخ عظام نے جن طریقوں پر چل کر گوہر مقصود کو پایا ان کے مجرب، موصل اور اقرب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ محفوظ راستوں کو چھوڑ کر پر خطر راستوں چلنا حماقت ہے۔

نسبت مع اللہ کے فضائل

جنت کا وعدہ

اللہ رب العزت نے صاحب نسبت بندوں کو جنت کی بشارت ان الفاظ میں سنائی ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ٥
فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ٥ فَادْخُلِي جَنَّتِي ٥

(اے ایمان والی روح اپنے رب کی طرف چل یوں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں آجا)

وہ نفوس قدسیہ جو محنت مجاہدے سے اپنے نفس کو امارگی کی غلاظت سے پاک کر کے نفس مطمئنہ بنا لیتے ہیں۔ ان کا موت کے وقت اکرام یوں کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت سنائی جاتی تم اللہ سے راضی ہو اللہ تم سے راضی ہے آؤ اور اللہ کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ جب کوئی معزز اور مکرم مہمان گھر میں آتا

ہے تو اسے گھر کے دروازے پر مرحبا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صاحب نسبت حضرات کو موت کے وقت اللہ رب العزت کے طرف سے یوں مرحبا کہا جائے گا۔

قرب الٰہی......سب سے بڑا انعام

اللہ تعالیٰ جس بندے سے راضی ہوتے ہیں اس کو اپنا قرب عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے سب سے بہترین انعام اس کا قرب ہے۔ اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے۔ جب فرعون نے جادوگروں کو بلایا اور کہا کہ تم موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرو تو جادوگر بھی سمجھدار لوگ تھے۔ وہ فرعون سے پوچھنے لگے کہ جناب! ہم مقابلہ تو کرتے ہیں اور مقابلہ بھی شاہی مقابلہ ہے، کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں ہے لہٰذا آپ بتائیے کہ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو پھر ہمیں جیتنے کے نتیجے میں کیا انعام ملے گا۔ فرعون نے جواب دیا کہ اگر تم جیت گئے تو انکم اذا لمن المقربین کہ اس کے نتیجے میں تم میرے مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔ معلوم ہوا کہ مقربین میں شامل ہو جانا سب سے بڑا انعام ہوتا ہے اور سارے انعامات اس انعام میں شامل ہوتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جانا سب سے بڑا انعام ہے۔ قرب حاصل ہونے کے کیا مطلب؟ حدیث شریف میں آیا من کان للہ کان اللہ لہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کے ہو جاتے ہیں۔ اللہ کا مل جانا یہی تو قرب ہے۔ جب کوئی سالک اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے اور ماسوی اللہ سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے تو کان للہ کا مصداق بن جاتا ہے۔ اور اس پر اس کو نسبت کا نور مل جاتا

ہے یعنی اللہ کا مقرب بن جاتا ہے تو کان اللہ لہ کا مصداق بن جاتا ہے۔

عقلمند بیوی

سبکتگین بادشاہ اپنی ایک بیوی سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کی دوسری بیویوں نے اس سے کہا کہ آپ اپنی فلاں بیوی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں حالانکہ حسن میں ہم اس سے زیادہ ہیں، سمجھداری میں بھی ہم ان سے زیادہ ہیں آخر اس میں کونسی ایسی خاص بات ہے، ہمیں تو اس کے اندر کچھ نظر نہیں آتا۔ مگر آپ کی محبت کی نگاہیں جو اس پر اٹھتی ہیں وہ کسی دوسری بیوی پر نہیں اٹھتیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ بادشاہ نے کہا، اچھا، میں کبھی اس بات کا جواب دے دوں گا۔ اس کے بعد اس کی بیویاں یہ بات بھول گئیں۔

ایک دن سبکتگین نے اپنے گھر کے صحن میں بیٹھ کر کہا کہ آج میں بڑے اچھے موڈ میں ہوں اس لئے آج میں چاہتا ہوں کہ میں تم میں سے ہر ایک کو اچھے اچھے انعام سے نوازوں۔ وہ یہ بات سن کر خوش ہو گئیں کہ آج ہمیں شاہی خزانے سے انعام ملے گا۔

صحن میں سونے چاندی اور جواہرات کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ بادشاہ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ اس صحن میں جو چیزیں پڑی ہوئی ہیں ان میں سے جس چیز پر جو بیوی بھی ہاتھ رکھ لے گی اس کو وہ چیز انعام کے طور پر دے دی جائے گی۔ چنانچہ جس وقت میں اشارہ کروں تم دوڑ کر اپنی پسند کی چیز پر ہاتھ رکھ لینا۔ بیویاں تیار ہو گئیں اور انہوں نے اپنی اپنی پسند کی چیزوں پر نگاہیں جمالیں۔ کسی نے یاقوت کے اوپر، کسی نے ہیرے کے اوپر، کسی نے سونے کے اوپر اور کسی نے

چاندی کے اوپر۔ بادشاہ نے اشارہ کیا تو بیویوں نے دوڑ کر اپنی اپنی پسندیدہ چیزوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ لیکن وہ بیوی جس پر اس کی محبت کی خاص نظر رہتی تھی وہ اپنی جگہ کھڑی رہی۔ جب سب نے دیکھا کہ ہم نے قیمتی چیزوں پر ہاتھ رکھ لئے ہیں مگر اس نے کسی چیز پر ہاتھ نہیں رکھا تو وہ ہنسنے لگیں اور بادشاہ سے کہنے لگیں، بادشاہ سلامت! ہم کہا کرتی تھیں کہ یہ بے وقوف ہے اور اس کے اندر عقل کی کمی ہے، اور آج اس کی عقل کی کمی کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ یہ تو بس سوچتی ہی رہی لہٰذا آج اس کے پلے کچھ نہیں آیا۔

بادشاہ نے اس سے پوچھا، اے اللہ کی بندی! تو نے کسی چیز پر ہاتھ کیوں نہ رکھے؟ وہ کہنے لگی بادشاہ سلامت! میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ نے یہی کہا ہے ناں کہ جو جس چیز پر ہاتھ رکھ لے گی وہ چیز اسی کی ہو جائے گی۔ بادشاہ نے کہا، ہاں یہی تو میں نے کہا ہے۔ اس نے یہ سنا تو آگے بڑھی اور بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ لئے۔ وہ کہنے لگی، بادشاہ سلامت! جب آپ میرے ہو گئے تو پھر سارا خزانہ میرا بن گیا۔

بادشاہ نے اس کی یہ بات سن کر اپنی دوسری بیویوں سے کہا کہ دیکھو، اس کی اس عقلمندی اور محبت کی وجہ سے میں اس کے ساتھ زیادہ محبت کرتا تھا۔

اگر ایک باندی یہ سمجھتی ہے کہ میں بادشاہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ لوں تو وہ میرا بن جائے گا اور اس طرح سب کچھ میرا ہو جائے گا۔ اللہ والے بھی اسی طرح سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ہو گئے تو پھر تمام چیزیں ہماری ہو جائیں گی۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیں۔

اللہ کے نام کی برکت:

ایک علمی نکتہ ہے۔ ''ب'' کے حرف کو دیکھیں وہ آپ کو لیٹا ہوا نظر آئے گا۔ اور الف ''ا'' کو دیکھیں وہ آپ کو کھڑا نظر آئے گا۔ بچے بھی پڑھتے ہیں کہ الف کھڑی نظر آتی ہے اور بے لیٹی لیٹی نظر آتی ہے۔ عام حالت میں تو ''ب'' کا حرف لیٹا ہوا ہوتا ہے لیکن عجیب بات ہے جب بھی اس کو حرف کی شکل میں لکھیں گے تو لیٹی ہوئی شکل میں لکھیں گے۔ لیکن جب اسی حرف کو اللہ کے نام کے ساتھ ملا کر لکھیں گے یعنی جب بسم اللہ کے اندر ''ب'' کو لکھیں گے تو لیٹا ہوا نہیں بلکہ ''ب'' کو کھڑا ہوا لکھیں گے۔ ارے! ''ب'' کا حرف اگر اللہ کے نام کے ساتھ منتھی ہو جاتا ہے تو اسے کھڑا کر دیا جاتا ہے، اے مومن! تو بھی اگر اللہ کے نام کے ساتھ نسبت حاصل کر لے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے بھی لیٹا نہیں رہنے دیں گے بلکہ پروردگار تجھے بھی کھڑا کر دیں گے۔ جب اللہ رب العزت کے نام کی نسبت کی اتنی برکتیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی نسبت کی کتنی برکتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذات کے ساتھ نسبت عطا فرماوے۔

ایک عجیب نکتہ

مفسرین نے ایک عجیب نکتہ لکھا ہے کہ مومن کے مال کو اگر چور پڑ جائیں اور یہ اس کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو حدیث پاک میں آیا ہے کہ یہ بندہ شہید ہے من قتل دون ماله فهو شهيد. جو بندہ اپنے مال کی وجہ سے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے۔ عجیب بات ہے کہ اپنے مال کی خاطر یہ مرا ہے اور اس کو شہادت کا رتبہ دے دیا گیا۔ عقل حیران ہوتی ہے کہ (مال کی خاطر مرنے والا)

جس مال کے بارے میں کہا گیا کہ اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ، دل میں اس کی محبت نہیں ہونی چاہئے ، اللہ کے ہاں اس کا مکھی کے پر کے برابر بھی رتبہ نہیں ۔ اس مال کی خاطر اگر مومن جان دے دیتا ہے تو یہ شہید ہے ۔ سبحان اللہ ۔ اسی طرح فقہانے لکھا ہے کہ اگر ہنڈیا پک رہی ہو اور آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور درمیان میں اسے یہ ڈر پیدا ہو جائے کہ ہنڈیا ابل جائے گی اور ضائع ہو جائے گی اور مجھے کھانے کو کچھ اور نہیں ملے گا تو وہ نماز توڑ دے ۔ ہنڈیا کی حفاظت پہلے کرے اور نماز کو بعد میں پھر لوٹا دے ۔ عقل حیران ہوتی ہے کہ اللہ کی عبادت میں کھڑا تھا اور ادھر ہنڈیا کی بات تھی ، حالانکہ اس کی کوئی اتنی قدر و قیمت نہیں تھی مگر کہا کہ نہیں ،تم پہلے اس کی حفاظت کرو ،نماز پھر پڑھ لینا ۔

مال تھا ،اس کی کوئی ویلیو نہیں تھی ،مگر مال کی خاطر یہ قتل کر دیا گیا ،شریعت کہتی ہے کہ شہید ہے ۔اس کی کیا وجہ ہے؟ طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شہادت کا رتبہ کیوں دیا؟ کیونکہ اس نے کوئی کافروں سے جنگ نہیں لڑی اور نہ ہی اس نے دین کی سربلندی کے لئے کام کیا ہے ،فقط اپنے مال کی وجہ سے لڑا جس کی کوئی ویلیو ہی نہیں تھی ۔ یہاں محدثین نے ایک نکتہ لکھا ہے ۔وہ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے ۔ **من قتل دون مالہ فھو شھید** اس حدیث پاک کو سامنے رکھ کر وہ فرماتے ہیں کہ مال کی تو کوئی حیثیت نہیں تھی مگر حدیث پاک میں مالہ کے لفظ میں "ہ" کی ضمیر نے مال کو مومن کے ساتھ نسبت دے دی ہے ۔ لہٰذا اب یہ فقط مال نہیں بلکہ یہ مومن کا مال ہے ۔ لہٰذا مومن کے مال کی حفاظت کرتے ہوئے اگر مومن مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کا رتبہ عطا فرما دیتے ہیں ۔ مال کو اگر مومن کے ساتھ نسبت ہو جائے تو مال

کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ اگر مومن کو اللہ سے نسبت مل جائے تو مومن کی شان کی
نہ بڑھ جائے گی۔

آیئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی نسبت اور تعلق کو مضبوط کر لیں تاکہ ہم بھی
تعالیٰ کے ہاں قبولیت پا جائیں اور ہمیں بھی اللہ رب العزت کی دائمی رضا
ہو جائے۔